© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظرات

گذشتہ ماہ نومبر و دسمبر میں ملک کی دو مسلمان جماعتوں، اسلامی جماعت اور جمعیۃ علمائے ہند کی کل ہند کانفرنسیں علی الترتیب دہلی اور اُجین میں منعقد ہوئیں۔ اگر کسی کانفرنس کی کامیابی کا معیار عظیم الشان پنڈال اس کی سجاوٹ اور بناوٹ، لوگوں کی ریل پیل اور ولولہ انگیز تقریریں ہیں تو کوئی شبہ نہیں کہ دونوں کانفرنسیں بڑی کامیاب رہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ ملک کے موجودہ حالات میں جس فکرِ بیدار و دلِ روشن کی ضرورت ہے اس کی کمی دونوں جگہ نظر آئی۔ ایک کے ہاں اسلامی نظامِ زندگی کے بنیادی عقیدہ کو قبول کر لینے کی دعوتِ عام ہے اس کے علاوہ ہر چیز پر تنقید ہے، تنقیص ہے اور اس سے بیزاری و نفرت کا پُرجوش اظہار ہے، پھر نہ کوئی تجویز ہے نہ ریزولیوشن ہے اور نہ مسلمانوں کے لئے کوئی لائحۂ عمل اور پروگرام ہے، اس کی مثال تو بالکل ایسی ہے کہ ایک شخص کی کشتی گرداب میں پھنس گئی ہے۔ آپ اُس سے صرف یہ کہتے ہیں کہ خدا پر بھروسہ کرو، اس کی مشیت کے بغیر کوئی ذرہ بھی حرکت نہیں کر سکتا، لیکن اُسے یہ نہیں بتاتے کہ وہ گرداب سے نکلنے کے لئے کونسی تدبیرِ عمل میں لائے اور کس طرح ساحل تک پہونچے۔ کوئی قوم صرف نعروں کے ذریعہ زندہ نہیں رہ سکتی، جب اُس کو دوسری قوموں کے ساتھ مل جل کر رہنا ہے تو لامحالہ اُسے حدود متعین کر کے یہ طے کرنا ہوگا کہ وہ کن کن چیزوں میں اُن کے ساتھ اشتراک کر سکتی ہے اور کن میں نہیں کر سکتی۔ محض منفی پالیسی اختیار کئے رکھنا اور اسی کی رٹ لگائے جانا کسی جماعت یا گروہ کے لئے اس کی زندگی اور بقا کا ضامن نہیں ہو سکتا۔

دوسرے کے یہاں حقوق طلبی ہے، اپنے مطالبات کا جرأتمندانہ اظہار و اعلان ہے اور جہاں جہاں مسلمانوں کے ساتھ ناانصافیاں اور زیادتیاں ہو رہی ہیں ان کے خلاف بیباکانہ احتجاج ہے۔ جمعیۃ علماء کی کانفرنس میں جو تجاویز منظور ہوئیں یا پلیٹ فارم سے جو تقریریں ہوئیں ان سب کا حاصل یہی ہے اس میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شک نہیں کہ یہ کام بھی ضروری ہے اور ہونا چاہئے لیکن صرف ان چیزوں سے مسلمانوں کی نہ تعمیر ملی ہو سکتی ہے اور نہ ملک میں اُن کو وہ مقام مل سکتا ہے جو انھیں ملنا چاہئے، حقوق طلبی سے پہلے حقوق کے صحیح استعمال کی صلاحیت کا ثبوت دینا چاہیئے۔ اس کے لئے عملی جدّوجہد کی ضرورت ہے اور ہر عملی جدّوجہد سے پہلے فکر کو استوار اور ذہن کو صاف کرنا ضروری ہو، فکر کی استواری اور ذہن کی صفائی کے بغیر جو عملی قدم بھی اٹھیگا وہ بذاتِ خود کتنا ہی مفید ہو اس سے خاطر خواہ نتائج کی توقع نہیں ہو سکتی۔ آج اس میں شبہ نہیں کہ مسلمانوں کے لئے بڑے صبر آزما حالات کا سامنا ہے۔ لیکن ان حالات کی شدّت اور سخت تلخی، پھر ان سے عہدہ برآ ہو سکنے کے حوصلے کی کمی کا احساس زیادہ تر اس پر مبنی ہے کہ اب تک اُن کے دماغوں میں یہ بات نہیں اتاری گئی ہے کہ بحیثیت ایک مسلمان شہری کے اس ملک کے ساتھ اور ابنائے وطن کے ساتھ اُن کا تعلق شرعی اور مذہبی احکام کی روشنی میں کیسا ہے؟ اس تعلق کے مقتضیات و مطالبات کیا ہیں؟ اُن کے فرائض و واجبات کیا ہیں؟ نئے حالات اور زمانہ کی نئی قدروں کے ساتھ وہ کیونکر اس طرح مطابقت پیدا کر سکتے ہیں کہ ایک طرف اُن کا ملّی وجود نہ صرف یہ کہ باقی رہے بلکہ دوسروں کے لئے مینارہ صداقت اور لائق پیروی ہو اور دوسری جانب وہ ایک جمہوری اور سیکولر نظام میں ایک موثر اور فعال عنصر کی حیثیت سے زندگی بسر کرنے کے قابل ہوں۔

دنیا میں کوئی بھی قوم صرف اپنی مظلومیت کے بار بار اعلان و اظہار اور دوسروں پر تنقید اور اُن کے شکوہ و شکایت کے سہارے زندہ نہیں رہ سکتی۔ زندہ رہنے کے لئے سب سے پہلے خود شناسی اور انجمنِ اقوام میں اپنے مرتبہ و مقام کو پہچاننے اور اس کے مطابق ہمہ گیر اور ایجابی عمل و جہد کی ضرورت ہو اور یہ دیکھ کر بڑی مایوسی ہوتی ہے کہ یہ کام کہیں بھی نہیں ہو رہا ہے اور جب تک یہ کام نہیں ہوگا مسلمانوں کے مستقبل کی ضمانت نہیں دی جا سکتی۔ اسلام میں صبر کی تلقین ضرور کی گئی ہے۔ لیکن صبر سے مراد مقاومت مجہول (Passive Resistence) ہرگز نہیں ہو بلکہ اس سے مراد کف وضبطِ نفس کر کے موقع و محل کے اعتبار سے عملی جدّوجہد کرنا اور اس طرح اپنے لئے کامیابی کی راہ پیدا کرنا ہے۔

افسوس ہے پچھلے دنوں مدرسہ عبدالرب دہلی کے بہت دیرینہ صدر المدرسین جناب مولانا محمد شفیع صاحب کی ڈیڑھ سال کی مسلسل علالت کے بعد اپنے وطن دیوبند میں وفات ہوگئی۔ مولانا نے عمر کا نی پائی ۱۹۵۲ء

© rasailojaraid.com